انشائیہ

انشائیہ اردو نثر کی نسبتاً جدید صنف ہے۔ ابتدا میں ہلکے پھلکے مضامین کو انشائیہ کے زمرے میں رکھا گیا لیکن رفتہ رفتہ انشائیہ کے خدوخال صنف کے طور پر طے ہوتے چلے گئے۔ اردو میں انشائیہ کی تاریخ صرف 35 سال پرانی ہے۔ مشہور ناقد اور انشائیہ نگار ڈاکٹر جانسن کے الفاظ میں :

'انشائیہ ایک ذہنی ترنگ ہے جس میں بے ترتیب، غیر منضبط اور ناپختہ خیالات اور جذبات کا اظہار ہو'

کہا جاتا ہے کہ اردو میں انشائیہ کا ظہور مغربی ادبیات کے حوالے سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو انشائیہ نے مغرب کے انشائیوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے دائرہ کار میں بھی کافی وسعت پیدا کی ہے مثلاً یہ کہ انشائیہ میں طنز و مزاح کا عنصر نمایاں ہونا چاہیے۔ انشائیہ میں کہانویت کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو انشائیہ عصری شعور کی ترجمانی کرنے کے علاوہ کائناتی شعور کا بھی اظہار کر رہا ہے۔ زمان و مکان کے سوالات بھی انشائیہ میں جگہ پانے لگے ہیں جو ذہنی بلوغیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

سید محمد حسنین

سید محمد حسنین 2 / اکتوبر 1920ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب خانوادۂ امام تاج فقیہ سے ملتا ہے۔ راجہ رام موہن رائے سمنری اسکول سے میٹرک اور پٹنہ یونی ورسٹی سے 1946ء میں ایم۔ اے اردو کا امتحان پاس کیا۔ 1956ء میں بہار یونی ورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر کے ریاست بہار میں اردو کی پہلی پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگری لینے کا امتیاز حاصل کیا۔ 1968ء سے 1985ء تک مگدھ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں صدر شعبہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس دوران کثرت سے علمی و ادبی مقالات ہندو پاک کے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔ مگر جس کام نے انھیں شہرت اور مقبولیت عطا کی وہ صنف انشائیہ نگاری کے سلسلے میں لکھی گئی ان کی کتاب ہے۔ یہ کتاب 'صنف انشائیہ اور چند انشائیے' کے نام سے پہلی بار 1958ء میں شائع ہوئی اور اس کا چھٹا ترمیم شدہ اڈیشن 'انشائیہ اور انشائیے' کے زیر عنوان 1997ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کتاب میں محمد حسین آزاد سے لے کر شفیقہ فرحت تک کل ستائیس انشائیہ نگاروں کے مضامین شامل ہیں۔ ایک مضمون ح۔ م۔ اسلم عظیم آبادی کے نام سے خود سید محمد حسنین کا بھی ہے۔ وہ ابتدا میں اسی نام سے مضامین لکھا کرتے تھے۔ اس کتاب کے علاوہ انہوں نے تقریباً دو درجن کتابیں لکھی ہیں اور کچھ مفید خاص نمبر نکالے ہیں۔ حسنین صاحب ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد پٹنہ میں رہنے لگے تھے مگر اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کے گھر دہلی، علی گڑھ اور کراچی وغیرہ آتے جاتے رہتے تھے۔ اکتوبر 1999ء میں پاکستان گئے تھے۔ وہیں انتقال ہوگیا اور اسلام آباد میں مدفون ہوئے۔

سید محمد حسنین نے خاکے بھی لکھے ہیں اور تنقیدی مضامین بھی۔ انہوں نے مگدھ یونی ورسٹی سے ایک رسالہ 'مشام' کے نام سے نکالا تھا جس کی ریسرچ کے اعتبار سے اہمیت تھی مگر اردو میں Light Essay کو انشائیہ کے نام سے متعارف کرانے کا اہم کام ہی انہیں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انشائیہ کس طرح افسانہ، مقالہ یا ظریفانہ مضمون سے مختلف ہے۔ ان کے یہاں مختلف طرح کے موضوعات ملتے ہیں مگر انداز بیان میں زیادہ فرق دکھائی نہیں دیتا۔ نہ صرف بہار میں بلکہ پوری اردو دنیا میں ایک انشائیہ نگار کی حیثیت سے وہ معروف اور مقبول رہے ہیں۔ ان کے ظریفانہ مضامین کا مجموعہ 'نشاطِ خاطر' بہت مقبول رہا ہے۔

سیّد محمد حسنین

ہیرو

مرزا غالب کو آم بہت پسند تھے۔ آپ ناواقف نہ ہوں گے ــــ اچھے آم کی تعریف انہوں نے یوں کی تھی کہ بہت سے ہوں اور خوب میٹھے ہوں۔ آپ کی پسند اور ناپسند مجھے نہیں معلوم۔ مگر آپ جانتے ہوں گے کہ آم نہ پسند کرنے والوں کو غالب گدھے سمجھتے تھے۔ ہیرو کی پسند کا اظہار کر کے مجھے اس وقت آپ کی شناخت منظور نہیں۔

کھٹے میٹھے آم کی طرح ہیرو بھی خالصاً دو ہوتے ہیں، مثالی اور موسمی۔ اسے اپنے ملک کی خوش قسمتی کہیے کہ ہمارے پھلوں میں جتنی شکل اور سواد کے آم ملتے ہیں، اتنی اقسام کے ہیرو بھی۔ مثال کے طور پر فلمی ہیرو اور قو ہیرو، کلاس کا ہیرو اور بازار کا ہیرو، محلّہ کا ہیرو اور میچ کا ہیرو وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہیرو کسی جگہ اداکاری کرتا ہے، کہیں سہ بازی، کہیں یہ کامریڈ کہلاتا ہے، کہیں رنگ دار، کہیں سرداری کرتا ہے، کہیں سواری، کہیں اس کا شغل پہلوانی ہوتا ہے اور کہیں عاشقی۔ جہاں زندگی کی علامت ہے وہاں ہیروازم کی علّت۔ جہاں زندگی کا سوز و ساز ہے، وہاں ہیروا کی تب و تاب۔ کوئی جگہ ہیرو سے خالی نہیں۔ ہر دل میں ہیروشپ کا جذبہ اور جوع موجود ہے۔

ہیرو طبعاً دو ہوتے ہیں۔ مثالی اور موسمی۔ مثالی ہیرو کتابی دنیا میں نشوونما پاتا ہے اور عموماً یہ زائیدہ خیال ہے۔ نامی شعرا اور کہانی کار اس کے خالق ہوتے ہیں۔ اسی کے دم قدم سے اہل قلم کو مقام ابدی نصیب ہوتا ہے نیرنگیٔ زمانہ سے مثالی ہیرو اگر کبھی اس عالم رنگ میں نمودار ہو جاتا ہے تو اس کا قیام اور قیادت معاشرہ کے لیے پُر ہو جاتی ہے۔ اس کی سرفرازیاں جو اس کی ہیروازم کو نادرالوجود بنا دیتی ہیں اس کے اقوال و اعمال کی زرّینی ہیں۔ مرنے کے بعد اس ہیرو کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر اتباع و توقیر کے نام پر اس کی قدریں بے قدر کی ہیں۔ 'پیراں نمی پرند مریدان می پرانند' کے مصداق اس مردِ آہن کے کردار سے زیادہ اس کی ذات کو مرکز رکوع بنا لیا جاتا ہے۔ مثالی ہیرو اللہ کا پیارا ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے مقلدین و تابعین خرافات کے ظلم میں ذرۂ نور تلاش کرتے رہتے ہیں۔

بعض مثالی ہیرو ایسے بھی ہوتے ہیں جو بے وقت یا قبل از وقت صفحۂ ارض پر نمودار ہو جاتے ہیں اور فکر و

کے عرفان کی نافہمی اور بلاخیز روشنی طبع کی وجہ سے وہ خود آپ شکار ہو جاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسے برگزیدہ ہیرو کو اربابِ قضا و قدر جلد از جلد عالمِ ہستی سے عالمِ نیستی میں واپس کر دیتے ہیں۔

مثالی ہیرو کا انجام، خواہ یہ زائیدہ قلم کار ہو یا پروردہ قدرت، عموماً المیہ ہوتا ہے۔ اپنی الم ناکی کے باوجود یہ دست فنا سے محروم رہتا ہے۔ مثالی ہیرو کے المیہ کا یہی رخ طرب ناک اور درخشاں ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی ہیروازم کلاسیکی بن جاتی ہے۔

عصر جدید کا ہیرو کلاسیکی ہیرو سے زیادہ حوصلہ مند اور فعال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ اس کے مزاج اور ماحول کی ہم رنگی ہے۔ لڑکپن سے پہلے اس میں عاشقی کا مادّہ اور جوانی سے پہلے حسینوں پر مرنے کا حوصلہ آ جاتا ہے۔ چلتے پھرتے ایجاب وقبول کی خاطر وہ ہمہ وقت اوٹو رکشا بنا رہتا ہے۔ اظہارِ عشق کا مرحلہ ہو یا ترسیل عشق کا مسئلہ۔ وہ ہمیشہ ترقی پسندانہ انداز سے سوچتا اور غیر روایتی طریقہ کار کو اپناتا ہے۔ مثلاً وہ پتنگ بازی یا غزل گوئی نہیں کرتا۔ وہ کبوتر یا ملازمہ کا سہارا نہیں لیتا۔ وہ مٹھائی یا چٹھی کا بھی قائل نہیں ہوتا۔ رہی مصوری اور افسانہ نگاری تو ان وسائل کا استعمال اس کے لیے امر محال ہے کہ اب افسانہ اور تصویر دونوں تجریدی آرٹ ہو گئے ہیں۔ لازماً سرخ روئی یا زرد روئی کے انجام سے بے پروا ہو کر وہ آتشِ عشق میں بے خطر چھلانگ لگا دیتا ہے کہ میر صاحب فرما گئے ہیں ۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت، نہ ہوتا ظہور

عصر جدید کے ہیرو کے سفلہ پن پر غصہ کے عوض مجھے ترس آتا ہے۔ آپ بھی میرے ہم خیال ہوں گے کہ اس کی ہیروازم کی نامعقولیت دراصل ہمارے نظامِ تعلیم اور طریقہ تربیت کا ثمرہ ہے۔ غور فرمائیں، اب نہ مکتبی اور مذہبی تعلیم ہے اور نہ درس گاہوں میں چٹائی اور چھڑی۔ مخلوط تعلیم اور سیکولرزم کا دار و دورہ ہے۔ ابتدائی تعلیم کے آغاز سے بہت پہلے بچہ کی دنیائے مشاہدہ میں وہ چمک دار رنگین تصویریں داخل ہو جاتی ہیں جو والدین کے ذوق اور کمروں کی زینت کا ثبوت رہتی ہیں۔ بچہ کی تجسس پسند نظریں ان ماہ پیکر کے عریاں جسم کے جغرافیہ کا جائزہ لیتی رہتی ہیں۔ گھر اور باہر، بازار یا تقریب کی کوئی قید نہیں۔ مر مٹنے کی دعوت اسے ہر جگہ ملتی ہے۔ وہ جنسی کہانیاں دیکھتا اور پڑھتا ہے۔ پڑھتا بہت کم ہے کہ دیکھنے سے ہی اسے فرصت نہیں ملتی۔ عمر آتے ہی کالج کی کھلی فضا میں اس کی ہیروازم تازہ دم ہو جاتی ہے جو دل پر گزرتی ہے حیوانی عمل سے اس کا مظاہرہ شروع ہو جاتا ہے۔ آخرش، بداقبال والدین اور

نامراد اولاد بعد عفتِ بسیار ایک ہی گھاٹ پر جا لگتے ہیں یعنی آپ کی ہمدردی پر ہائے دل اور ہائے گل دونوں کے لب پر ہوتے ہیں۔

خدا بخشے لکھنؤ کے اگلے لوگ کیسے روشن دماغ اور دوربین تھے۔ ان کی نفاست پسندی اور جدت پرستی کا جواب نہیں۔ ادب اور تہذیب کو اس لکھنوی زندہ دلی سے کیا کچھ نہ ملا۔ ریختہ کو ریختی، قیصر باغ کو راجا اندر کا دربار بنا کر اور بلبل کو مذکر باندھ کر انہوں نے دلی والوں کو نئے مقامات آہ و فغاں سے روشناس کرایا۔ اور تو اور نہایت دور افتادہ ماضی کے ایک تہذیبی مشغلہ کو انہوں نے یوں اپنالیا کہ نقل اصل سے دو ہاتھ آگے بڑھ گئی — قدیم روم اور یونان کے جری سورماؤں کے قصے آپ نے پڑھے ہوں گے۔ یہ خوں خوار اور گرسنہ درندوں سے کشتی لڑتے، پینترے بدل بدل کر اپنی شجاعت کے مظاہرے کرتے۔ حیات و موت کی کشتی کا یہ روح فرسا تماشا رومی اور یونانی فرماں رواؤں کا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ اس کشتی سے جاں بازی کا جیسا بھی مظاہرہ ہوتا ہو، پر صاحب! یہ مشغلہ کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری والا ایک طرفہ معاملہ تھا۔

آفریں بر اہل لکھنؤ! اس رومی روایات کی لکھنوی مذاق نے بیخ کنی کردی۔ ان کی توجہ سے اس کشتی کی نہ صرف ہیبت دور ہوئی بلکہ اس میں جدت اور نفاست بھی آگئی۔ یعنی ایک طرف انہوں نے انسان اور درندوں کی بجائے بٹیر اور مرغ کی کشتی رائج کی۔ دوسری طرف دو پہلوانوں کو اکھاڑے میں اتارنے کے عوض انہیں بیٹھے بیٹھے چونچ لڑانے کا ہنر سکھادیا۔ کیسا قلب گداز پایا تھا انہوں نے! بھلا درندہ اور دو پایہ کا مقابلہ کیا؟ حیوان دونوں ہی ٹھہرے۔ لکھنؤ کے اگلوں نے مگر ایسے سورما تیار کیے جو پہلوانوں سے 'بانکے' ہوگئے۔ ایسے مست پہلوان جن کی لنگوٹ اتر گئی اور مونچھ اٹھ گئی! ان کا جسم پہلوانی نہ رہا، پر ان میں کس بل آگیا — دیکھا آپ نے؟ لکھنؤ کے یہ بانکے بھی دراصل ہیرو کی ایک قسم تھے۔ یہ بانکے اس عہد کی تہذیبی جاہ و جمال کی مجسم تصویر تھے۔ ان بانکوں کی ہیروازم سے مجمع اور مجلس میں بادِ نشاط بہنے لگتی اور بجھے دل بھی کِھل جاتے۔

کہتے ہیں، لکھنؤ اسٹیشن سے دو بانکے بغرض سفر یکے بعد دیگرے ایک ہی ڈبے میں داخل ہوئے۔ ان کی نظریں ملیں۔ جو بیٹھ چکا تھا جم کر بیٹھ گیا جو آیا وہ واپس نہ ہوا کہ بانکپن دونوں کو عزیز تھا۔ ٹرین روانہ ہوئی۔ مسافر خوش ہوئے کہ ان بانکوں کی آمد سے خوش وقتی نصیب ہوئی — زانو پر زانو رکھے آمنے سامنے سیٹ پر باطمینان بیٹھے دونوں بانکوں نے اپنی لن ترانی شروع کردی۔ مسافروں کو اپنے شیوہ و شعار سے فریفتہ و متوجہ کرتے ہوئے یہ اپنے

اپنے مربی کے بے مثل اعزاز و افتخار پر دون کی ہانکنے لگے۔ ان کے مکالمے نہلے پر دہلے کی بازی کھیلنے لگی۔ پر نچلا کوئی نہیں بیٹھا۔ کچھ دیر بعد اسٹیشن پر ٹرین رکی۔ اتفاق وقت، دونوں بانکوں کو اسی جگہ پر اترنا تھا۔ اپنی مرصع چھڑی لیے یہ پلیٹ فارم پر آ گئے۔ اِدھر اُدھر قلی گھوم رہے تھے۔ ایک بانکے نے پلٹے دار آواز سے قلی کو پکارا۔ دوسرے بانکے نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ سامان ندارد، پھر قلی چہ معنی؟ وہ نہ دیکھے انداز سے اس بانکے کا جائزہ لینے لگا۔

پہلے بانکے نے نہایت تمکنت کے ساتھ قلی کی طرف اپنی چھڑی بڑھائی اور کہا۔ 'دیکھتا کیا ہے؟ لے یہ چھڑی اٹھا۔' بانکپن کا یہ مظاہرہ دوسرے کو زک دے گیا۔ دل ہی دل میں وہ تلملا گیا، جیسے اس کی کور دب گئی۔

اچانک چھٹی حس نے اسے سہارا دیا۔ اس نے بھی 'قلی قلی' صدا لگائی۔ ایک قلی دوڑ کر آیا۔ پاس آ کر بولا۔ 'نواب صاحب! سامان کہاں ہے؟'

بانکے نے کام دار صدری کی جیب میں سے نہایت فخر سے دو انگلی داخل کی۔ ٹکٹ نکالتے ہوئے قلی کو حکم دیا۔ 'نواب کے بچے! لے یہ ٹکٹ اٹھا۔'

آج کا ہیرو بانکا سجیلا نہیں ہوتا۔ اس کو ہیروازم کو دیکھنے یا سننے کا جی بھی نہیں چاہتا۔ یہ نہ مثالی ہوتا ہے اور نہ کتابی۔ یہ فصلی ہوتا ہے اور موسم موسم میں تولد ہوتا ہے۔ میں یہ مشاہدہ نہ کر سکا ہوں کہ موسمی ہیرو کی اچھی فصل مناسب فضا کا نتیجہ ہوتی ہے یا نامناسب فضا میں اس کی فصل لہلہا اٹھتی ہے۔ پر اتنا وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ عصری بحران اور انتشار موسمی ہیرو کی نشوونما کے لیے نہایت سازگار ہیں۔ معاملۂ تولید میں ان کی آمد یا آورد کا گوشوارہ بنانا اچھے اچھے دانشوروں کے لیے بھی مشکل ہے۔

موسمی ہیرو کھٹرے اسٹیم انجن کے بھبکتے دھواں کی طرح اچانک ابھرتا ہے۔ اس کی ہیروازم کے کارناموں سے شرفاء گھر کے اندر اور سفلاء گھر کے باہر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بلا درد سرا اکثریت کی حمایت حاصل ہو جاتی ہے۔ بامراد ہونے سے پہلے وہ یوں اینٹھنے لگتا ہے جیسے نیا ملازم نیا بش شرٹ پہن کر ملکینی کے ساتھ بازار کو نکلا ہو!

موسمی ہیرو کلدو کریلے کی لتوں کی مانند تیزی سے بڑھتا ہے۔ زیادہ دن تک ہرا بھرا نہیں رہتا۔ کامرانیاں ستر ہوں یا سینکڑوں، یہ جلد اپنے رنگ بدل دیتا ہے۔ توبہ استغفار کر کے یہ زیارت کو نکل جاتا ہے۔ واپسی کے بعد پھر

یہ شرعی ہیرو بن جاتا ہے۔ فتنہ اور فتور کی دنیا سے منھ موڑ کر وہ خیر و خدمت کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ روایتی رسوم کے اجرا اور چلتے پھرتے عقائد کے راستے پر شرعی ہیرو کا یقین نہایت کامل اور پختہ ہوتا ہے۔ محلہ یا برادری کے ان روشن خیال طلبا کی عقل پر وہ دست تاسف ملا کرتا ہے جو کارخانۂ قدرت کو اندھے کی لاٹھی تصور کرتے ہیں — یہ نوعمر دانش دراصل نہایت حساس ہوتے ہیں۔ امت محمدیہ کے زوال وادبار اور امم ہائے موسیٰ وعیسیٰ کے ظفر اقبال کا راز ان کی کچی فکر و فہم کے لیے ایک پرابلم ہوتا ہے شرعی ہیرو کو طلبہ کے اس منشیانہ نقطۂ نظر سے اختلاف رہا ہے۔ اعتراف اسے بھی ہوتا ہے کہ ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر ہے۔ پر اسے یقین ہوتا ہے کہ قیامت قریب ہے۔ نماز پڑھو۔ اللہ کو یاد کرو۔ سب ٹھیک رہے گا — یہ ایمان پرور اور ایمان سوز تقابلی بحثیں بڑی دل چسپ ہوتی ہیں۔ مداخلت کیے بغیر اس محاکاتی مناظرے سے لطف اندوز ہونے کا مجھے موقع ملا ہے اور ایسا محسوس ہوا ہے جیسے منا ڈے اقبال کا 'شکوہ' اور محمد رفیع 'جواب شکوہ' خود رفتہ ہو کر سنا رہے ہوں۔

لفظ و معنی

ناواقف ہونا	۔	نہیں جاننا
اقسام	۔	قسم کی جمع
سواد	۔	مزہ۔ ذائقہ
شغل	۔	کام
علامت	۔	نشان، پتہ، سراغ، کھوج، اشارہ
علّت	۔	بیماری، دکھ، سبب، بری عادت، لت
جوع	۔	بھوک
زائیدہ خیال	۔	خیال کی پیداوار
ابد	۔	ہمیشہ رہنے والا
قیادت	۔	لیڈرشپ۔ رہنمائی
اتباع	۔	پیروی، تقلید، رہنمائی قبول کرنا
صفحۂ ارض	۔	زمین، دنیا

نافہمی	۔	ناسمجھی
عالمِ ہستی	۔	ہماری دنیا
عالمِ نیستی	۔	آخرت، عدم
المیہ	۔	ٹریجڈی
فعال	۔	بہت کام کرنے والا، سرگرم
سفلہ پن	۔	کمینگی، چھچھورا پن
آہ و فغاں	۔	رونا پیٹنا، نالہ و فریاد
بیخ کنی کرنا	۔	جڑ کھودنا
بہیمیت	۔	حیوانیت، وحشی پن
تولد ہونا	۔	پیدا ہونا
بحران اور انتشار	۔	ہلچل، بکھراؤ
محاکات	۔	باہمی بات چیت، ایک دوسرے سے مشابہ ہونا، کسی چیز یا حالت کی نقل کرنا (الفاظ کے ذریعہ منظر نگاری)
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر	۔	پوری دنیا فتنہ و فساد سے بھری ہے
لطف اندوز ہونا	۔	لطف اٹھانا، مزہ لینا

آپ نے پڑھا

- گذشتہ صفحات میں آپ نے سید محمد حسنین کا ایک ظریفانہ مضمون 'ہیرو' پڑھا۔ اس میں خیال کی جو آزادروی اور شگفتگی ہے اس کے سبب اسے انشائیہ کی صف میں رکھا جاتا رہا ہے۔ حسنین صاحب نے ظاہری طور پر ایک عنوان قائم کر کے اس کے وسیلے سے بہت سارے پہلوؤں کو سامنے لایا ہے۔ ان میں ایسے بھی پہلو ہیں جن کا عنوان سے براہ راست اور سیدھے طور پر کوئی تعلق نہیں ہے مگر انشائیہ نگار بات سے بات پیدا کرتے ہوئے ادھر ادھر بھی نکل جاتے ہیں اور ہم اس آزاد خیالی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔
- مضمون نگار نے اپنی بات مرزا غالب کے تذکرے سے شروع کرتے ہوئے مشہور نکتہ دہرایا ہے کہ مرزا کو آم بہت پسند تھے۔ پھر فوراً ہی آم اور ہیرو میں ایک رشتہ تلاش کرتے ہوئے یہ بتایا کہ کھٹے اور میٹھے آموں کی طرح ہیرو بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک مثالی اور دوسرے موسی۔ پھر مختلف قسم کے ہیرو کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ

مثالی ہیرو اور موسمی ہیرو میں کیا فرق ہے۔ اور دونوں پر دنیا میں کیا گزرتی ہے۔

- مثالی اور موسمی ہیرو کا تذکرہ کرتے ہوئے مضمون نگار موجودہ زمانے کے ہیرو یعنی نوجوانوں کی طرف آتے ہیں اور اس زمانے میں جس طرح نوجوانوں پر عشق کا بھوت سوار ہے اس پر اپنے غصے اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے درس گاہوں کی غلط تعلیم کو ساری برائیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ نوجوانوں کی اس بے راہ روی کے لیے کچھ ذمہ داری ان کے والدین کی دی ہوئی غلط تربیت کی بھی ہے جس کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں۔
- دورِ حاضر کے نوجوان ہیرو کا تذکرہ ختم کرتے ہی مضمون نگار ماضی میں لوٹ جاتے ہیں اور مثالی ہیرو کے طور پر لکھنو کے ان زندہ دلوں اور بانکوں کو پیش کرتے ہیں جنھوں نے ابتدا میں تو اپنی جاں بازی کے خوب جوہر دکھائے مگر آگے چل کر وہ بھی فضول قسم کے تکلف و رسم و رواج میں مبتلا ہو گئے۔
- ایک بار پھر مضمون نگار مثالی ہیرو اور موسمی ہیرو کا مقابلہ کرتے ہوئے نئے زمانے کے ان لوگوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں جو کسی خاص واقعے کے سبب یکا یک نمایاں ہو جاتے ہیں اور اپنی شہرت، عزت یا دولت پر اتراتے ہوئے نمونۂ عبرت بن جاتے ہیں۔ اصل میں جو کچھ انہیں ملتا ہے وہ ان کی عام شخصیت سے میل نہیں کھاتا اور ایسا لگتا ہے جیسے منا ڈے اقبال کا 'شکوہ' یا محمد رفیع 'جواب شکوہ' سنا رہے ہوں۔
- یہ ساری باتیں پیش کرتے ہوئے مضمون نگار اپنے پڑھنے والوں کی سوچ سمجھ اور ذہنی سطح سے قریب رہتے ہیں اور کوئی ایسی گہری یا علمی بات نہیں کہتے جو سننے والے کے سر سے گذر جائے۔ ہلکے پھلکے تفریحی انداز میں طنز و ظرافت کے حربوں سے کام لیتے ہوئے انھوں نے اپنی بات مکمل کردی ہے جو آپ کو اچھی لگتی ہے۔ اور آپ یہ بھی سوچتے ہیں کہ یہ بات کچھ دیر اور جاری رہتی تو کچھ برا نہ ہوتا۔

آپ بتائیے

1. 'ہیرو' کس طرح کا مضمون ہے اور کیوں؟
2. ہیرو کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟
3. مرزا غالب اور آم کے بارے میں مضمون نگار نے کیا لکھا ہے؟
4. مضمون میں لکھنؤ کے بانکوں کے بارے میں کون سا واقعہ آپ کو پسند آیا؟
5. موسمی ہیرو عمر کے آخری حصے میں کیا کرتا ہے؟
6. مثالی اور موسمی ہیرو میں کیا فرق ہوتا ہے؟

مختصر گفتگو

1. مرزا غالب نے اچھے آم کے بارے میں کیا کہا تھا؟

(الف) بہت سے ہوں (ب) بہت سے ہوں اور خوب میٹھے ہوں

(ج) بہت کم ہوں (د) بہت کھٹے ہوں

2. ہیرو کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟

(الف) دو (ب) تین (ج) پانچ (د) بے شمار

3. لکھنؤ کے دو بانکے کس طرح سفر کر رہے تھے؟

(الف) ہوائی جہاز (ب) بیل گاڑی (ج) تانگہ (د) ریل گاڑی

4. سفر کرنے والے دوسرے بانکے نے قلی کو کیا اٹھانے کے لیے کہا؟

(الف) اپنا سامان (ب) اپنی چھڑی (ج) اپنا ٹکٹ (د) اپنا جوتا

5. موسمی ہیرو کس تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے؟

(الف) درخت کی طرح (ب) کدو کریلے کی لت کی طرح

(ج) گناہ کی طرح (د) پھولوں کی طرح

تفصیلی گفتگو

1. سید محمد حسنین کے مضمون کی اہم باتیں اپنی زبان میں لکھیے۔
2. مضمون نگار نے مثالی ہیرو کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اسے مختصراً بیان کیجیے۔
3. مضمون میں موسمی ہیرو کو کن کن چیزوں سے مثال دی گئی ہے؟ سمجھا کر بتائیے۔
4. لکھنؤ کے بانکوں کے بارے میں مضمون نگار نے کیا لکھا ہے؟
5. مضمون 'ہیرو' پڑھنے کے بعد آپ نے کیا محسوس کیا؟ اپنے لفظوں میں لکھیے۔

آیئے، کچھ کریں

1. سید محمد حسنین کا کوئی اور مضمون تلاش کر کے پڑھیے اور دوستوں سے اس کے بارے میں بات چیت کیجیے۔
2. اپنے استاد سے لکھنؤ کے بانکوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔
3. اپنے دوستوں سے مشورہ کیجیے کہ مثالی ہیرو بننے کے لیے آپ کو کیا کرنا چاہیے؟